Oriental College Magazine, Vol.99, No. 04, Serial No. 374, 2024

اشفاق احمد کا تصورِ عورت: ڈرامہ سیریل "شاہلاکوٹ" کے تناظر میں

ساجدہ اسلم

پی۔ایچ۔ڈی اسکالر (اُردو)

شعبہ اردو، دی ویمن یونیورسٹی ملتان

ASHFAQ AHMAD'S CONCEPT OF WOMAN
IN THE CONTEXT OF DRAMA SERIAL "SHAHLAKOT"

Sajida Aslam
PhD Scholar (Urdu)
Department of Urdu, The Women University, Multan

Abstract

In this article, a literary analysis of Ashfaq Ahmed's play "Shahlakot" was presented. Except Islam, no religion or society has given women their basic rights. It has always been considered to be contemptible, weak-minded and responsible for the ruin of men. It is known that when a Sufi and intellectual presents female characters in his dramas, he shows them according to the correct Islamic concept or shows local influences and traditionalism. But a feminist study of the drama Shahlakot reveals a specific concept of women. In the drama we are introduced to ideal landlords. But here, the entire village of Shahlakot has been destroyed due to the seduction of Nazia, the main female character. Ashfaq Ahmed has explained this disaster from a scientific and Christian point of view that if human beings are cloned like animals and crops, then such a person will be born who will be deprived of spiritual qualities and will feel guilty after committing a sin. It won't happen. From the Christian point of view, Mother Eve was created from the rib of Adam. That is why Ashfaq Ahmed calls woman a form of cloning. Therefore, we see that in Ashfaq Ahmed's conception of woman, she is a seditionist and a cause of destruction.

Keywords:
Drama Shahlakot, Ashfaq Ahmed's concept of woman, Human Cloning, Nazia and Sarfaraz, Destruction of Shahlakot

ڈرامائی صنف کا تعلق قدیم یونان سے ہے جو اسٹیج، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ارتقائی سفر کے بعد مقبولِ عام صنف بن چکی ہے۔اشفاق احمد نے براڈ کاسٹنگ کے ذریعے فیچرز اور تلقین شاہ سے شہرت حاصل کی۔جب پاکستان میں ٹیلی ویژن کی آمد ہوئی تو اشفاق احمد نے بھی نئی سرزمینوں کا رُخ کر لیا۔تاہم ریڈیائی خطہِ ارض پر بھی قدم جمائے رکھے۔ٹیلی ویژن پر انھیں سب سے زیادہ شہرت ڈراما نگاری اور زاویہ پروگرام سے حاصل ہوئی۔ٹیلی ویژن ڈرامہ کی اہمیت کچھ یوں بھی زیادہ ہے کہ یہ ذرائع ابلاغ کا بڑا ذریعہ اور عوام کی دلچسپی کا مرکز ہے۔ اشفاق احمد نے اپنے ڈراموں کے ذریعے قاری و ناظر کو ایک نیا وژن دینے کی کوشش کی ہے۔کیونکہ دیگر اصناف کے مقابلے میں ٹیلی ویژن ڈرامے اور ناظر میں براہِ راست تعلق ہوتا ہے۔لہٰذا اشفاق احمد نے دانشور اور مصلح قوم کی حیثیت سے گھر بیٹھی عورتوں اور مردوں کی تربیت کرنے کی سعی کی ہے۔اس بارے میں وہ خود کہتے ہیں:

> ”ہماری جڑیں ایک اور قسم کی مٹی میں پیوست ہیں اور وہیں رہنی چاہیے۔تو یوں میں نے اپنی کہانیوں میں، ڈراموں اور باتوں میں ان جڑوں کو دوبارہ لگانے اور مضبوط کرنے کی سوچی سمجھی کوشش کی ہے“(۱)

مجوزہ مقالہ میں اشفاق احمد کے ڈرامہ ”شاہلا کوٹ“ کے تناظر میں ان کے تصورِ عورت کا مذہبی اور سماجی تناظر میں جائزہ لیا گیا ہے۔تاکہ تانیثیت کے حوالے سے ان کے فکری نظریے کو پرکھا جا سکے۔اور یہ معلوم ہو کہ وہ عورت کے جس تصور کو ڈرامہ میں پیش کرتے ہیں وہ آخر کس حد تک حقائق پر مبنی ہے؟ یا پھر ان کا تصورِ عورت محض مقامی ہے؟ یا وہ نسوانی کرداروں کو اسلامی دائرہ کار کے مطابق پیش کر کے سماج کو اس کے مقام و مرتبے سے واقفیت فراہم کرتے ہیں۔لیکن اس سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ عصرِ حاضر کے پس منظر میں مذہب اور سماج نے عورت کو کونسا مقام و مرتبہ دیا تھا؟ کیونکہ مذہب ایک اہم سماجی ادارہ ہے۔جو انسانی زندگی کی فلاح و بقاء کے لیے مرد و عورت کے رتبے کا تعین کرتا ہے۔

دنیا میں مختلف مذاہب نے مرد و عورت کے لیے جو نظریات پیش کیے، ان کا راست اثر اقوام کی سماجی زندگی پر پڑتا رہا ہے۔مختلف زمانوں میں اللہ کی طرف سے نیکی و بدی اور مرد و عورت کی ذمہ داری کے متعلق جو تعلیمات آتی رہی، وقت گزرنے کے ساتھ ان کا یہ مطلب اخذ کر لیا گیا کہ عورت سے کنارہ کش رہنا چاہیے۔وہ گناہ کو منبع ہے۔مرد اپنے عورت سے تعلقات کو تقویٰ و پرہیز گاری میں رکاوٹ سمجھنے لگا۔یہ سب من گھڑت تصورات تھے۔یہودیت میں عورت کو فطری مصیبتوں کا سبب مانا گیا۔ان کے نزدیک مرد نیک سرشت اور عورت بد طینت و مکار ہے۔کیونکہ اس نے آدمؑ کو بہلا پھسلا کر پھل کھانے پر آمادہ کیا تھا۔عائلی زندگی میں اسے دوسری شادی، وصیت، شہادت اور وراثت کے حقوق بھی میسر نہیں تھے۔ عیسائیت بھی یہودی نظریۂ عورت کی ہم خیال ہے۔یہاں بھی عورت کو گناہ کی ماں، بدی کی جڑ اور جہنم کا دروازہ تصور

کیا جاتا ہے۔ اور ٹرانکے ہائینمن (Uta Ranke Haeinman) اپنی کتاب " Eunuchs for the Kingdom of Heaven" میں لکھتے ہیں کہ عورت کو سماجی طور پر کم تر ثابت کرنے کے لیے چرچ نے یہ دلیل دی کہ عورتیں ناپاک ہیں۔ عورت کو دیکھتے ہی مرد میں گناہ کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ عورت مرد کے مقابلے میں اخلاقی طور پر کم تر ہے۔ عورت کے جذبات اسے ہمیشہ برائی کی جانب لے جاتے ہیں۔ مرد مکمل تخلیق ہے۔ اگر اس تخلیق کے عمل میں کوئی کمی رہ جاتی ہے تو اس صورت میں عورت پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا عورت مرد کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس کے نتیجے میں عورت پیدائش ہی سے بگاڑ اور ناکامی کو لیے پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے عورت میں نہ تو عقل ہوتی ہے اور نہ ہی وہ جسمانی طور پر طاقت ور ہوتی ہے۔(۲)

عہدِ وسطیٰ میں بھی عورتوں کے خلاف جادوگرنیاں ہونے کی مہم چلا کر انہیں زندہ جلانے تک کی سزائیں دی گئیں۔ نیز عیسائیت کے پیروکاروں نے عورت کو روحانی ترقی میں رکاوٹ سمجھ کر اس سے کنارہ کشی کی۔ اور راہبوں پر یہ قانون عائد کیا گیا کہ اگر وہ مذہب کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں تو ازدواجی زندگی اور نسوانی خونی رشتوں سے دور رہیں۔ ایک بڑا مسیحی امام کرائی سوسسٹم عورت کے بارے میں کہتا ہے:

> "عورت ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گر دلربائی، ایک آراستہ مصیبت ہے۔"(۳)

شاہ معین الدین احمد ندوی عیسائیت میں عورت کی حالت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

> "عورت سراپا فتنہ و شر سمجھی جاتی تھی، عابد و زاہد اُس کے سائے سے بھاگتے تھے، بڑے بڑے راہب اپنی ماں تک سے ملنا اور اس کے چہرے پر نظر ڈالنا معصیت سمجھتے تھے۔"(۴)

ہندو مذہب میں بھی عورت کو سرکشی کی صفات کا مجموعہ، متلون مزاج، بہکانے والی، جھوٹی، مکار، احمق اور ظالم قرار دیا گیا۔ اور شودروں کے زمرے میں شامل کیا گیا۔ وہاں اُسے فرائض ادا کرنے والی ہستی کی نظر سے ہی دیکھا جاتا تھا۔ بدھ مت نے بھی جدید مذہب ہونے کے باوجود عورت کو نجس قرار دیا۔ عورتوں سے قطع تعلق کی تعلیمات گوتم بدھ نے اپنے پیروکاروں کو دی۔ کیونکہ عورت سے روابط رکھنے والا کبھی نجات نہیں پا سکتا۔ جین مت کے نزدیک عورت خیر سے عاری اور تمام برائیوں کی اصل جڑ ہے۔ یہاں بھی بیوہ کی دوسری شادی، کثیر زوجگی، عورت کی جانب دیکھنا اور محوِ گفتگو ہونا ممنوع ہے۔

مختلف مذاہب میں عورت کے مقام و مرتبے کا جائزہ لینے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کس قدر محکوم اور مرد کی دستِ نگر رہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ عورت کا تحفظ مرد کی سرپرستی میں رہنے سے ہے۔ لیکن عورت کو اس کے طے شدہ مقام سے نیچے سمجھنا اس کے احترام و عصمت کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ مرد کی مرضی پر منحصر تھا کہ وہ اپنی خواہشات اور اولاد کے لیے عورت سے تعلق اُستوار کرے یا اسے اپنے گھر اور زندگی سے نکال پھینکے۔ لیکن اسلام واحد مذہب ہے جہاں عورت کو بحیثیت انسان تمام

فطری اور جائز حقوق دیئے گئے ہیں۔ یہودیت اور عیسائیت بھی اللہ ہی کے عطا کردہ مذاہب ہیں، لیکن ان مذاہب میں عورت کا جو تصور رائج پا چکا ہے وہ احکامات الٰہی نہیں بلکہ تحریف شدہ تعلیمات ہیں۔ جبکہ دینِ اسلام نے قرآن و حدیث میں مردوں کو عورتوں کے معاملے میں عفو و درگزر اور نرمی کی تلقین کی ہے۔ بیٹی کو باپ کے لیے باعثِ رحمت اور نجات کا ذریعہ بنایا ہے۔ ماں کے قدموں تلے جنت رکھ دی گئی ہے۔ عورت کے لیے باپ کی وراثت میں بھائی سے آدھا، شوہر کی طرف سے آٹھواں حصہ، حق مہر اور نان و نفقہ کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ باپ، بھائی، شوہر اور بیٹے زندگی کے مختلف مرحلوں پر ان کے کفیل ٹھہرائے گئے ہیں۔ اگر یہ موجود نہ ہوں تو محرم رشتوں کو کفالت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ لڑکی کو تعلیم، نکاح کے لیے آزادی رائے اور بیوہ کو دوسری شادی کا حق دیا گیا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کی صورت میں عورت کو خلع کی اجازت دی گئی ہے۔ غرض اسلام دینِ فطرت ہے جس نے عورت کی زندگی سے ہر ظلم و ستم کی تاریکی دور کی ہے۔ عورت پر بھی بحیثیت فرد فرائض عائد کیے گئے ہیں کہ وہ گھر، اولاد اور شوہر کے حقوق کا خیال رکھے۔ عورت پر اگرچہ معاشی بوجھ نہیں ڈالا گیا تاہم اسے معاشی تگ و دو کی مکمل آزادی دی گئی ہے۔ وہ اپنی عفت کی حفاظت اور گھریلو ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے معاشرے میں ایک فعال اور سرگرم کردار ادا کر سکتی ہے۔ صحابیاتؓ تجارت، زراعت، گلہ بانی، دستکاری اور دباغت وغیرہ سے وابستہ تھیں اور اپنی آمدنی شوہر اور بچوں کے علاوہ راہِ حق میں صَرف کیا کرتی تھیں۔ اب اگرچہ مغربی تہذیب بھی عورت کو حقوق دیتی ہے۔ لیکن اس وقت جب وہ ایک مصنوعی مرد بن کر ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے پر تیار ہو جائے۔ لیکن اسلام نے عورت کا جو مقام و مرتبہ دنیا میں متعین کیا، وہ قدیم و جدید کی بے ہودہ رروایتوں سے پاک ہے اور اس میں عورت کو گناہ کا پتلا بنانے کی اجازت نہیں ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کے پیشِ نظر یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہو گا کہ دیگر مذاہب کی نسبت اسلام نے عورت کو ذلت و پستی کے گڑھوں سے نکال کر اس پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ جہاں دوسری انسانی قدریں پامال ہوئیں، وہیں عورت کی حیثیت ایک بار پھر پردۂ اخفا میں چلی گئی ہے۔ اب اگرچہ عورت کو زندہ درگور اور ستی کے بہانے آگ کی نظر نہیں کیا جاتا۔ لیکن اس کے حقوق کا استحصال کر کے اسے کمتر ثابت کرنے کی کوشش ضرور کی جاتی ہے۔ معاشرے میں آج بھی پدری نظام (Paternalistic) اپنی زور آزمائیوں کے ساتھ موجود ہے۔ یہاں مقصد پدری نظام کی مخالفت کرنا یا زنان شاہی (Gynocracy) کو دوبارہ رائج کرنے کی حمایت نہیں بلکہ عورت کے ساتھ روا رکھے گئے ذلت آمیز رویے کا خاتمہ ہے۔ افسوس ناک صورتِ حال یہ ہے کہ اس تانیثی استحصال کو فلسفۂ اسلام کی بنیاد بنا کر تقویت دی گئی ہے۔ علی بن عثمان ہجویری اپنی کتاب 'کشف المحجوب' میں نکاح کرنے اور مجرد رہنے

کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”صحیح احادیث سے ثابت ہے نکاح تمام مردوں اور عورتوں کے لیے مباح ہے اور جو شخص حرام کاری سے پرہیز نہ کر سکے اس پر فرض ہے اور جو شخص اہل و عیال کے حقوق پورے کر سکتا ہو اس کے لیے سنت ہے۔ مشائخ طریقت میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ نکاح شہوت کو دور کرنے کے لیے کرنا چاہیے اور مال دل کی فراغت کے لیے کمانا چاہیے، اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نکاح افزائش نسل کے لیے کرنا چاہیے تاکہ اولاد ہو۔“(۵)

علی بن عثمان ہجویری اپنے تجربات کا اظہار کرتے ہوئے شکر گزار ہیں کہ اللہ نے انھیں نکاح کی آزمائش سے بچائے رکھا ہے اور جب وہ ایک پری صفت کے اسیر ہوئے تب بھی اللہ نے ان کے دین کو تباہ اور دل کو ہلاک ہونے سے بچالیا۔ وہ عورت کی فتنہ پروری کے بارے میں یوں دلائل پیش کرتے ہیں:

> ”حضرت آدمؑ کے لیے جو پہلا فتنہ مقدر ہوا وہ ایک عورت کا فتنہ ہی تھا۔ اور ہابیل اور قابیل کے جھگڑے کی صورت میں جو پہلا فساد دنیا میں نمودار ہوا وہ بھی ایک عورت کی وجہ سے ہی تھا اور جب دو فرشتوں ہاروت و ماروت کو اللہ تعالیٰ نے سزا دینی چاہی تو اس کا سبب بھی ایک عورت ہی تھی۔ اور ہمارے زمانے تک دینی اور دنیاوی تمام فتنے عورتوں کے ہی ہیں۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”ماترکت بعدی فتنۃ ھي أضر علی الرجال من النساء“ (میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ ضرر رساں کوئی فتنہ نہیں چھوڑا) پس عورتوں کا فتنہ جب ظاہر میں اتنا بڑا ہے تو باطن میں یہ کتنا بڑا ہوگا۔“(۶)

درج بالا فلسفیانہ بیانات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کچھ علماء کے نزدیک بھی عورت محض فتنہ وفساد برپا کرنے، شہوت پر آمادہ کرنے، افزائشِ نسل اور مرد کو ورغلانے کا سبب ہے۔ علی بن عثمان ہجویری نے حدیث کا مستند حوالہ پیش نہیں کیا۔ البتہ یہاں مستند حدیث دیکھنا بھی ناگزیر ہے۔ حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”(دینوی چیزوں میں) مجھے بیوی اور خوشبو بہت پسند ہیں۔ لیکن میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں مضمر ہے۔“(۷)

درج بالا حدیث اور آپ ﷺ کی خواتین کے حقوق کے حوالے سے دوسری احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہوئے، کہیں بھی عورت کے مرد سے کم تر یا فتنہ پرور ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ یہاں اس کی تفصیل سے صرف کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک خالص مذہبی اور اسلامی بحث ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ مرد ادیبوں کا ایک طبقہ، جو نسوانی شعور کا حامی نہیں ہے، اپنے فن پاروں میں عورت کے لیے مخاصمانہ ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ کے بارے میں فہمیدہ ریاض لکھتی ہیں:

''ممتاز مفتی عورت کو ایک ذہنی مریض سے بڑھ کر کچھ نہیں سمجھتے جب کہ اشفاق احمد ''عورت'' کو جنرل ضیاء الحق کی مرضی کے مطابق کانٹے چھانٹنے میں مصروف تھے۔''(۸)

اشفاق احمد کے بارے میں کوئی بھی رائے قائم کرنے سے قبل ان کے ڈرامہ ''شاہلا کوٹ'' کا تانیثی مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ تحقیقی و تنقیدی مطالعے سے معلوم ہو سکے کہ اشفاق احمد کسی اور کی منشا پر نسوانی کردار تخلیق کرتے رہے ہیں یا یہ ان کا اپنا تصورِ عورت ہے۔ کرداروں کے مطالعہ کے لیے شمس الرحمن فاروقی کے اس اصول کو مد نظر رکھا گیا ہے:

''مردوں کے بنائے ہوئے متون کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے کیا جائے کہ ان میں عورتوں کے بارے میں کیا تصورات اور اصول شعوری طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ یعنی عورتوں کے بارے میں قوانین، پابندیاں، تصورات، مفروضات، تعصبات وغیرہ جو معاشرے میں رائج ہیں۔
وہ مردوں کے بنائے ہوئے متون میں کس حد تک رائج ہیں اور کس طرح اور کس نقطۂ نظر سے پیش کئے گئے ہیں۔''(۹)

اس مقالہ کا بنیادی بحث طلب نکتہ اشفاق احمد کے سلسلہ وار ڈرامہ ''شاہلا کوٹ'' کا تانیثی مطالعہ، مذہبی اور سماجی تناظر میں کرنا ہے۔ تیرہ اقساط پر مشتمل ڈرامہ سیریل ''شاہلا کوٹ'' ۱۹۸۹ء میں پاکستان ٹیلی ویژن لاہور سے نشر ہوا۔ ۲۸۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے پہلی مرتبہ ۲۰۰۱ء اور پھر ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی۔ اس میں ڈرامے کے حوالے سے مختصر تعارفی تحریر بھی شامل ہے۔

ڈرامہ سیریل شاہلا کوٹ کے مرکزی کرداروں کا تعلق جاگیردارانہ طبقے سے ہے۔ جاگیرداریت کی عموماً دو ہی صورتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اول وہ انگریز کی عطا کردہ جاگیروں پر عیش کرتے ہیں یا پھر غریبوں کی زمینوں پر قبضہ غاصبانہ کر کے جاگیریں بنائی ہوتی ہیں۔ ڈرامہ نگار نے براہِ راست تو نہیں بتایا کہ یہ جاگیردار کس نوعیت کے ہیں البتہ کچھ ایسی شہادتیں ضرور مل جاتی ہیں جیسے کہ چودھری سرفراز کی شادی پر حویلی میں انگریزوں کی آمد کا پتا چلتا ہے۔ نیز جب سرفراز، ماسٹر موسیٰ سے کہتا ہے کہ ''جب ہم قبضہ غاصبانہ کر لیتے ہیں تو پھر لوگ ساری عمر مقدمے لڑتے ہیں، زمین واپس نہیں کرتے۔۔۔۔ تین تین پشتیں مقدمہ لڑی جاتی ہیں۔ لیکن ان کا کچھ نہیں بنتا''۔ ۱۰ تو ان کے اپنے بل بوتے پر جاگیریں بنانے میں احتمال ہوتا ہے۔ تاہم ڈرامہ نگار نے یہ واضح کر دیا ہے کہ ان جاگیرداروں کا خمیر روایتی جبر کے بجائے شاہلا کوٹ کی ٹھنڈی مٹی سے اُٹھایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رواداری، متحمل مزاجی اور بردباری ان کا شعار ہے۔ اس ڈرامے میں جاگیردارانہ ظلم و ستم کی مروجہ صورتیں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ جس کے سبب شاہلا کوٹ شاد و آباد، پر سکون اور پر باش گاؤں ہے۔

کہانی، ناول، افسانے اور ڈرامے کے واقعات کو آگے بڑھانے کے لیے کرداروں کی

ضرورت ہوتی ہے۔ کسی کردار کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو دراصل ہم اس کہانی کے موضوع کو بھی پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ یہاں نازیہ کا کردار طوالت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کردار میں ہی ڈرامے کا اصل موضوع پوشیدہ ہے۔اگر کردار کو نہ سمجھا جائے تو کہانی کو سمجھنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کرداروں کے بغیر کہانی نا مکمل رہتی ہے۔

نازیہ ڈرامہ شاہلا کوٹ کی مرکزی نسوانی کردار ہے۔ جس کا تعلق جاگیر دار گھرانے سے ہے۔نازیہ نے اگر چہ پرائیوٹ بی۔اے کیا ہے۔ مگر وہ شاعرانہ ذوق، کتابوں سے رغبت اور ادبی لب ولہجہ رکھتی ہے۔ شاہ حسین کی کافی سننا اور منگیتر سے بیت بازی کرنا اس کے مشاغل ہیں۔ والد کے گاؤں چھوڑنے اور بھائی کے ریاض جانے کے بعد شاداب ملک سپلائی کے امور سنبھالنا، ٹریکٹر چلانا، شہر جا کر موٹر ٹھیک کرانا اور باہر کے معاملات سنبھالنا جیسے کام نازیہ کے کردار کو جدید دور کی فعال رکن ثابت کرتے ہیں۔ انتہائی ناموافق حالات میں بھی نازیہ مردانہ وار مقابلے کی صلاحیت رکھتی ہے۔یہ نسوانی کردار اس طبقہ نسواں کے لیے مثال قائم کرتا ہے۔ جو سماج میں تنہا ضرور ہے۔ لیکن اپنی مستعدی کے باعث ہار نہیں مانتا۔اور اپنی مدد آپ کے تحت تمام امور بخوبی سر انجام دیتا ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ نازیہ کو یہ سب کرنے کی اجازت اس لیے بھی دی گئی ہے کہ وہ آٹھ سال سے تایا زاد سرفراز سے منسوب، اس کی محبت میں گرفتار اور عنقریب شادی کے بندھن میں بندھنے والی ہے۔نازیہ میں دوسروں کی عزت نفس کا خیال رکھنے اور دل شکنی نہ کرنے جیسے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ ڈراما نگار نے اس کردار کو آزاد معاشرے کا نمائندہ دکھایا ہے۔وہ سرفراز کی محبت میں اس قدر سر شار ہے کہ اس کا بیت بازی میں ہار جانا بھی گوارا نہیں کرتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نسوانی کردار میں یہاں تک کوئی خاص برائی نظر نہیں آتی۔ نہ کوئی منفی پہلو ہی دکھائی دیتا ہے۔اس کی تعلیم اور کاروباری امور سنبھالنے پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ڈراما نگار نے نازیہ کے تایا عبد الجبار کی زبانی ہمیں مرد و عورت کے مساوی حقوق کے بارے میں بتایا ہے۔ نیز نازیہ اور اس کی ماں چو دھرائن مریم کے تنہا ہونے کی وجہ سے معاشی سطح پر اس کی فعالیت بھی درست معلوم ہوتی ہے۔

تاہم ڈراما نگار نے نازیہ کے کردار میں ان مثبت اوصاف کے ساتھ منفی پہلو بھی پوشیدہ رکھے ہیں۔ جن سے کہانی کو نقطۂ عروج تک پہنچانے میں مدد ملتی ہے۔نازیہ کے کردار کو تشکیل دینے میں نادانی، کم فہمی اور ذہنی کشمکش جیسے عناصر مضمر رکھے گئے ہیں۔ جن کی وضاحت نازیہ

کے سامنے گاؤں کے ماسٹر موسیٰ کے بیٹے کا نام لے کر کی جاتی ہے۔نازیہ مسعود سعد سلمان کا نام زیر لب دہرا کر اس کے خیالوں میں گم ہو جاتی ہے۔ناز یہ سلمان سے اگر چہ بچپن سے واقف تھی تاہم جو ملاقات دونوں میں کشمکش اور تصادم کو جنم دیتی ہے وہ شعور کی سیڑھی پر قدم رکھنے کے بعد ہوتی ہے۔ڈراما نگار نے نازیہ کی سرفراز سے محبت کے علاوہ سلمان کے لیے اس کی جذباتیت دکھائی ہے اور گاؤں کا جان محمد ڈھولیا بھی نازیہ کے عشق میں گرفتار ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ کشمکش اور تصادم محض ڈرامائی ضرورت کے تحت تھا یا پھر ڈرامہ نگار کے مخصوص نقطۂ نظر کی وضاحت ہے۔کیونکہ گیارویں شریف کے ختم پر نازیہ کی سلمان سے آنکھیں چار ہونے کے بعد ڈرامانگار دونوں میں باہمی تعلق کی بنیاد ڈال دیتے ہیں اور بہت کم وقت میں نازیہ کے سلمان سے دوستانہ مراسم قائم ہو جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دونوں میں کتب کا تبادلہ بڑھتا ہے۔نازیہ کا سلمان کے ساتھ حویلی کی پیمائش کرانا، اس کے سامنے سج دھج کر بیٹھنا اور پورٹریٹ بنوانا، باپ اور بھائی کے جانے کے بعد ذمہ داریاں سنبھالنا اور اسے اپنی اولین محبت کا بتانا، سرفراز کو اجنبی نہیں رہنے دیتا۔لیکن اب نازیہ اپنی اولین محبت سے اس قدر بے خبر ہے کہ اسے سرفراز کے باز و جلنے کی خبر بھی نہیں ہوتی۔وہ سلمان سے مل کر سرفراز سے بے نیاز ہو جاتی ہے۔سرفراز سے شادی کا ذکر بھی اسے خوش نہیں کر پاتا۔وہ اپنی والدہ سے شادی روکنے کی التجا کرتی ہے۔اور اپنی کیفیت کا اظہار یوں کرتی ہے:

”آدمی کو پتہ ہونا چاہیے وہ کیا چاہتا ہے کیوں چاہتا ہے۔۔۔وہ کیا ہے؟۔۔۔۔
(نظم پڑھتے ہوئے)
ایک عبارت اور دوسری عبارت میں کیا فرق ہوتا ہے
کیا معانی مختلف ہوتے ہیں
کیا لفظ جداگانہ ہوتے ہیں
یا ان میں کوئی ایسی شے الگ تھلگ ہوتی ہے جس کا ہم ابھی تک اندازہ نہیں کر پائے“(۱۱)

درج بالا اقتباس سے یہ صراحت ہوتی ہے کہ نازیہ عبارتوں میں فرق کے بجائے سرفراز اور سلمان میں تفریق چاہتی ہے۔وہ دونوں میں فرق کا اندازہ نہیں کر سکتی۔کیونکہ اب وہ سرفراز کے ساتھ ساتھ سلمان کی محبت میں بھی مبتلا ہے۔اور دو کشتیوں کی سوار بن چکی ہے۔جبکہ دو کشتیوں کے سوار کے نصیب میں ساحل نہیں ہوتا۔خود ڈرامہ نگار نے ان سب کے انجام کی پہلے سے یوں توضیح کی ہے:

چلتی چکی دیکھ کے دیا کبیرا روئے　　　دو پاٹن کے بیچ میں باقی رہا نہ کوئے (۱۲)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نازیہ باوجود سرفراز سے دعویٰ محبت کے، آخر کیوں سلمان کے سحر میں مبتلا ہو گئی۔اس کا محرک کیا تھا ؟ کیا اس کی وجہ سلمان کا تعلیم یافتہ، گولڈ میڈلسٹ اور شہری ہونا تھا یا پھر اس کے پیچھے کوئی اور وجہ تھی ؟ جسے سمجھنے سے نازیہ بھی قاصر تھی۔یا پھر وہ ان واہمات کا شکار ہو گئی تھی جو اس کی والدہ گاہے بگاہے اس کے ذہن میں ڈالتی رہتی تھیں کہ وہ چودھری عبد الغفار کا پر ہے۔اس کے اندر باپ کی روح ہے۔جیسے وہ چودھرائن مریم سے محبت کے باوجو د وفا نہیں کر سکا۔اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر ایک رقاصہ کے ساتھ چلا گیا۔ویسے ہی نازیہ بھی سرفراز سے وفا نہیں کر سکی۔لیکن نازیہ کے یہ سب واہمات غلط اور بے بنیاد ہیں۔کیونکہ چودھری عبد الغفار نے بے وفائی نہیں کی تھی بلکہ قتل کر دیا گیا تھا۔اور چودھری عبد الجبار نے بھائی کے وارثوں کو بتانے کے بجائے رحم دلی کے تقاضے پورے کرتے ہوئے خود ہی معاف کر دیا تھا۔

اس کردار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تضادات کی بھر مار رکھی گئی ہے۔معاشی امور کی انجام دہی کے لیے اس سے مردانہ وار کام لیا جاتا ہے لیکن شادی کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد گھر سے نکلنے پر پابندی ہے۔جسے نازیہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتی۔یہاں عورت کو مورد الزام ٹھہرانے کے لیے رسمیں بھی روایات سے ہٹ کر از خود متعارف کرائی گئی ہیں۔جیسے کہ چودھرائن مریم نازیہ کو اس کی سہیلیوں کے ساتھ مل کر گاؤں کے رہٹ کنارے بیٹھا کر چالیس گھڑوں سے نہلانے کی رسم کرتی ہیں۔حالانکہ مذہبی اور سماجی حوالے سے ایسا عام مشاہدے میں نہیں آتا کہ لڑکیاں یوں سرِ راہ چوراہوں اور رہٹوں پر بیٹھ کر گھڑوں پانی سے نہانے کی رسم کرائیں۔اس پر مستزاد یہ کہ چودھر ائن مریم دور کھڑے سعد سلمان کو بھی رہٹ سے گھڑا ابھر نے کی اجازت دے دیتی ہیں۔یہاں دو عاشقوں کو ملانے کے لیے خوب ذمہ داری نبھائی گئی ہے۔لیکن یہ کہنا غلط نہیں کہ ڈراما نگار نے نازیہ اور سعد سلمان کو روبرو دکھانے کے لیے حد درجہ مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔

نازیہ کا کردار ذہنی ناپختگی کا ثبوت بھی ہے۔وہ سلمان سے اپنی محبت کا اظہار جان محمد کے سامنے مبہم انداز میں کرتی ہے۔وہ جان محمد جو خود نازیہ کے لیے اس کے شایان شان محل تعمیر کرنے، کار لینے اور شاداب ملک سپلائی کے ساتھ زمین خرید نے کے خواب دیکھتا ہے تاکہ نازیہ سے شادی کر سکے۔لیکن جب اسے اپنے خوابوں کی تعبیر نظر نہیں آتی، تو وہ انھی خوابوں کی

کرچیاں آنکھوں میں سمیٹے ہمیشہ کے لیے شاہلا کوٹ سے رخصت ہو جاتا ہے۔عام روایت ہے کہ وہ لوگ جو مجازی محبوب کو حاصل نہیں کرسکتے،وہ محبت میں فنا ہونے کے لیے درباروں کارخ کرتے ہیں اور اللہ سے لو لگا لیتے ہیں۔جان محمد بھی باباشاہ جمال کے مزار پر ڈھول بجاتے بجاتے فنا سے بقا کی منزل کارخ کرتا ہے۔لیکن وارفتگی میں دی گئی جان کی خبر شاہلا کوٹ کے کسی فرد کو نہیں ہوتی۔بظاہر یہ فتنہ اور دوریاں محبت کی ناکامی کے باعث ہیں۔ڈراما نگار نے محبت سے سیر اب ہو نا کسی کی قسمت میں نہیں لکھا۔سب ہی تِشنہ کامِ محبت رہتے ہیں۔ڈراما نگار نے سب کی قسمت میں ناکامی نازیہ کی نادانی اور کج فہمی کے باعث رکھی ہے۔

جان محمد کے بعد سلمان بھی داغِ محبت لے کر شابلا کوٹ سے جا رہا ہے۔لیکن نازیہ اس قدر جذباتیت کا مظاہرہ کرتی ہے کہ سلمان کے جانے کا سن کر دلہن بنی اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔اور سرفراز نازیہ کی بے وفائی اور منہ بولے بھائی کی بے اعتنائی کو برداشت نہ کرتے ہوئے جوشِ رقابت میں سلمان کو قتل کر دیتا ہے اور یوں سعد سلمان نازیہ کے لیے نخچیر محبت ہوتا ہے۔اور نازیہ رخصت ہو کر دلہن بنی حجلہ عروسی میں سرفراز کی منتظر ہے۔وہ شادی کے دوسرے ہی دن کسی سفاک و سنگ دل کی طرح سر فراز سے اپنی محبت کا یقین چاہتی ہے اور پوچھتی ہے۔

نازو: کیا میری محبت پر اعتبار نہیں آیا؟

سرفراز: آیا ہے-------

نازو: تمہارا دل میری طرف سے صاف نہیں ہوا؟

سرفراز: صاف ہی صاف ہے نازو---میں تمہارے ہاتھوں اتنا مجبور رہا ہوں کہ مجھے سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملی کہ میرا دل صاف ہے کہ نہیں---میرے سامنے تو گاؤں کی ساری مٹیاریں ہاتھ پر دل رکھ کر پھرتی تھیں----یہ مت سمجھنا نازو کہ ایک تم ہی ایسی تھیں---ہاں صرف تم ہی تھیں جو مجھے برباد کر سکتی تھیں۔

نازو: ٹھیک کہتے ہو---میں دنیا میں صرف توڑنے، برباد کرنے کے لیے آئی ہوں----جس چیز کو چھولوں وہ جل جائے---سرفراز سچ میں مجھے معلوم نہیں میں کیا ہوں----مجھ میں میرے باپ کی روح ہے---کچھ ڈھونڈتی رہتی ہے آوارہ---لمحے میں فیصلہ کرنے والی پھر پلٹ جانے والی---(ہاتھ جوڑ کر)---مجھے معاف کر دو سرفراز۔

سرفراز: معاف تو تم مجھے کرو۔۔۔ جس نے تمہاری ساری خوشی برباد کر دی۔۔۔
تم سے وہ سب کچھ چھین لیا، جس کی تمہاری روح کو تلاش تھی۔

نازو: یہ سچ نہیں ہے سرفراز۔۔۔ میرے باپ کو میری ماں سے محبت تھی
۔۔۔ پھر بھی وہ چلا گیا۔۔۔ اس وقت میں نے تمہاری خوشی کا خیال نہ کیا۔۔۔
صرف مجھے اپنا خیال رہا۔۔۔ چودھری مجھے معاف کر دو۔

سرفراز: کس سے معافی مانگ رہی ہو نازو میں جو قانون کی نگاہ میں اتنا بڑا ملزم
ہوں۔۔۔ میں جو تمہارے اندر والی نازو کا اتنابڑامجرم ہوں ۔۔۔۔ کس سے معافی
۔۔۔؟ اپنی خوشیوں کے قاتل سے۔؟(۱۳)

درج بالا طویل مکالمے کے اندراج کا مقصد وہ سفاکیت دکھانا ہے جو ڈراما نگار نے نازیہ کے کردار کے ذریعے دکھائی ہے۔نازیہ کہیں بھی سلمان کے قتل پر پشیمان نظر نہیں آتی۔بلکہ وہ چاہتی ہے کہ سرفراز اب بھی اس کی محبت پر یقین رکھے۔کیونکہ وہ جسے بے وفائی سمجھ رہا ہے وہ اس کا لمحوں کا فیصلہ تھا اور اس غلطی کے لیے اسے معاف کر دیا جائے، جس میں ایک انسانی جان ضائع ہو چکی ہے۔جبکہ ڈراما نگار نے مرد کردار کو معتبر کرنے کے لیے سرفراز کی تمام گفتگو میں ندامت دکھائی ہے۔وہ نازیہ کی خواہش کے راستے میں آنے اور اس کی روح کی تلاش کو ختم کرنے پر نادم ہے۔اس کی معتبری تب اور بڑھ جاتی ہے جب وہ نازیہ کی بےوفائی کے باوجود اس سے نکاح کر لیتا ہے۔پھر سب کے پوچھنے پر بھی نازیہ کی لمحوں کی داستانِ محبت کو آشکار نہیں کرتا اور نہ حرفِ شکایت ہی زبان پر لاتا ہے۔وہ سلمان کا قتل کرنے کے بعد احساسِ جرم کا شکار ہے۔تاہم نازیہ کے رویے کی صراحت ڈراما نگاریوں کرتے:

"نازو اپنے کمرے میں کھڑکی میں کھڑی ہے۔وہ سرفراز کے انتظار میں ہے۔اس وقت اس نے دبا کے زیور پہن رکھا ہے۔پھر وہ مایوس ہو کر اپنے سنگار کے سامنے جاتی ہے۔سر سے جھومر اتارتی ہے، ٹیکہ اتارتی ہے، گوٹے والا دوپٹہ بھی اتار کر رکھ دیتی ہے اور ایک سادہ سا دوپٹہ اوڑھتی ہے۔"(۱۴)

درج بالا اقتباس سے نازیہ کی پریشانی عیاں ہوتی ہے۔جو محض سرفراز کی بے اعتنائی کی وجہ سے ہے۔نازیہ اس غم و الم سے لاپروا جو سلمان کے والد ماسٹر موسیٰ پر ٹوٹ پڑا ہے۔اور اس ندامت سے آزاد ہے جس میں سر فراز اور اس کے گھر والے مبتلا ہیں۔وہ شوہر کو خوش کرنے اور رجھانے کے لیے تیار کھڑی ہے۔نازیہ گھر میں کام کرنے والی رضیہ کی بے بسی کا سن کر تو پسیج جاتی ہے۔البتہ سلمان جس سے اگر چہ اسے محبت کا گمان ہی گزرا تھا اس کے لیے دل

میں ذرا بھی ملال موجود نہیں۔ بلکہ وہ سرفراز سے اپنے لیے معافی چاہتی ہے۔ اور سلمان سے محبت کو اپنی خطا سمجھ کر بھلا چکی ہے۔وہ سرفراز سے کہتی ہے:

> "معافی دو۔۔۔ایک بار صرف ایک بار سرفراز میں انسان ہوں۔۔۔انسان راستہ بھی تو بھول سکتا ہے۔ کبھی کبھی بےاختیار بھی تو ہو سکتا ہے۔۔۔اللہ نے تمھیں معافی دینے کے مقام پر رکھا خدا کے لیے صاحب اختیار بندے مجھے معاف کر دے۔۔۔" (۱۵)

درج بالا اقتباس میں ڈراما نگار نے سرفراز کو اختیار کے مقام پر دکھایا ہے۔اس طرح عفو و در گزر سے کام لے کر وہ اللہ کے حضور بھی سر خرو ہو گا۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر چونتیس میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

> "اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمھیں اندیشہ ہو تو انھیں سمجھاؤ اور ان سے الگ سوؤ اور انھیں مارو۔ پھر اگر وہ تمھارے حکم میں آجائیں تو ان پر زیادتی کی کوئی راہ نہ چاہو بے شک اللہ بڑا بلند ہے"۔

اس میں شبہ نہیں کہ ڈرامہ نگار مرد کرداروں کو معزز دکھانے کے لیے قرآنی حوالے سے صراحت کرتے ہیں۔ لیکن جب نسوانی کرداروں کو پیش کرنا ہوتب وہ روایتی تصور عورت سے رجوع کرنے لگتے ہیں۔ نازیہ کے معافی طلب کرنے پر سرفراز مسکرا کر اسے گلے لگا لیتا ہے۔ نازیہ میاں بیوی میں محبت بڑھانے کے لیے یعقوب کتانی سے پانی دَم کروا کر لاتی ہے۔ سرفراز اگرچہ پانی پی لیتا ہے۔ لیکن اپنے اصل انسانی تخلیق ہونے کا جتانا نہیں بھولتا۔ وہ نازیہ سے کہتا ہے:

> "دراصل میں ازلی انسان ہوں نازو۔ اپنے اندر بہنے والے صاف اور گندے خون سے دامن نہیں چھڑا سکتا۔ جانے چلتے چلتے کب مجھ پر بدی غالب آجائے اور دور پہنچ کر میں پتہ پتہ ہو کر بکھر جاؤں۔۔۔ یا گندے گدلے پانیوں کے راستے شفاف اور پاکیزہ چشموں میں اتر جاؤں۔۔۔ تم نہیں جانتیں۔۔۔ تم اچھی عورت ہو۔۔۔ اور اچھی عورت کو سوائے ماما کے اور کوئی علم نہیں ہوتا۔۔۔"(۱۶)

مذکورہ بالا اقتباس میں ڈرامہ نگار نے صرف سرفراز کے ازلی مرد ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جبکہ عورت اس حقیقت اور تجربے سے واقف نہیں ہو سکتی جس سے مرد جلد آشنا ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں سورۃ الشمس کی آیت نمبر ۷ تا ۱۰ میں لکھا ہے:

"(قسم ہے) اور نفسِ انسانی کی اور اس کی جس نے اسے درست کر کے بنایا۔ پھر اس کو بد کاری سے بچنے اور پر ہیز گار بننے کی سمجھ دی۔ کہ جس نے اپنے نفس کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا۔اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ نامرادرہا۔"

قرآن پاک کے متن اور ترجمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اچھائی اور برائی صرف مرد یا عورت کی میراث نہیں ہے۔بلکہ ہر نفس انسانی میں رکھ دی گئی ہے۔لیکن سرفراز کا اسے محض اپنی طرف منسوب کر لینا ڈرامہ نگار کی سوچ اور فکر کی عکاسی ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ عورت میں صرف ممتا کا جذبہ موجود پاتے ہیں۔گویا عورت ماں بن کر تو کسی حد تک وفادار رہ سکتی ہے۔ لیکن شوہر اور کسی دوسرے کی محبت میں بے وفائی کرنا اس کی فطرت ہے اور اس کے بعد وہ کسی قسم کے پچھتاوے کا شکار بھی نہیں ہوتی ہے۔جس کا ذکر بانو قدسیہ یوں کرتی ہیں کہ لاہور میں ان کی مرضی سے ۳۶۔جی میں آنے کے بعد اشفاق احمد سے ریاض صاحب نے پوچھا، آپ خوش نہیں کیا ؟ تو اشفاق احمد نے کہا:

"یہ قدسیہ کا فیصلہ ہے شاید وہ خوش ہو۔۔۔۔۔ پھر بولے: "خوش نصیب ہے نہ اس کو کوئی سوال ستاتے ہیں نہ احساسِ جرم کی کبھی شکار ہوتی ہے۔۔۔کسی کو قتل کرنے کے بعد بھی وہ راضی خوش رہ سکتی ہے ۔"(۱۷)

درج بالا اقتباس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ڈراما نگار حقیقی زندگی میں زوجہ بانو قدسیہ کو بھی اسی زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں۔جیسے نازیہ کے کردار میں احساسِ جرم مفقود دکھایا ہے۔یہ ان کی ذاتی رائے ہو سکتی ہے لیکن اس رائے سے سبھی کو اتفاق نہیں ہو سکتا۔البتہ ڈرامہ نگار نے بیٹی کے روپ میں نسوانی کردار قابلِ عزت دکھائے ہیں۔اور یہ نسوانی کردار با حیثیت بیٹی، باپ، بھائی اور دیگر محرم رشتوں پر حکم کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نازیہ جب ماسٹر موسیٰ(سلمان کے والد) کے پاس شوہر کی اذیت کو کم کرنے کے لیے معافی لینے جاتی ہے۔تو ماسٹر موسیٰ اس کے لیے اپنی سیاہ چادر اُتار کر فرش پر بچھا دیتے ہیں۔جس سے اسلامی روح زندہ ہو کر سامنے آجاتی ہے اور عزت مآب حضرت محمد ﷺ کا حضرت فاطمہؓ کے آنے پر کھڑا ہونا اور ان کے لیے چادر بچھانا یاد آجاتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ " شابلا کوٹ " کی نسوانی کردار نازیہ کو اس قدر عزت و تکریم ملنے کے باوجود ذہنی اور اخلاقی ابتری کا شکار کیوں دکھایا گیا ہے۔چند لمحوں کے لیے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ انسان خطا کا پتلا ہے لہذا غلطی کرنا اس کی سرشت ہے۔یہی وجہ ہے کہ نازیہ بھی سرفراز کی محبت اور نام سے منسوب ہونے کے باوجود سلمان کے سحر میں جکڑی گئی۔

لیکن ڈراما نگار نے اس کردار میں جو سفاکی، خونریزی اور بے التفاتی دکھائی ہے۔کیا نازیہ اس کی حقدار تھی؟ کیونکہ احساسِ گناہ ہونا ایک بہت بڑی انسانی صفت ہے۔کوئی شخص اگر اخلاقی اقدار سے عاری ہو جائے تو وہ روحانی طور پر بھی بنجر اور دیوالیہ پن کا شکار ہو جاتا ہے۔جیسے کہ نازیہ کو دکھایا گیا ہے۔اب قاری و ناظر اور محقق کے لیے یہ نقطہ الجھن کا باعث ہے کہ آخر نازیہ کا رویہ کیوں بدلتا ہے ؟ وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنی محبت میں بے یقینی کا شکار ہے۔ ابتداء میں جب وہ ڈرامے کے کینوس پر آتی ہے تو ہیر وئن معلوم ہونے لگتی ہے۔لیکن بعد میں یہ کردار انتہائی سنسنی خیز اور مایوس کن بن جاتا ہے۔

آخر ایسی کونسی وجوہات ہیں جن کے باعث ڈراما نگار نے اس کردار پر اتنا بوجھ ڈال دیا ہے کہ تمام شابلا کوٹ کی بربادی کی ذمہ دار نازیہ ہے۔سلمان اس کی وجہ سے قتل ہو جاتا ہے اور ماسٹر موسیٰ کے گھر کا اکلوتا چراغ بجھ جاتا۔سرفراز احساس ندامت میں مبتلا اقرار جرم کر کے جیل چلا جاتا ہے۔اور پیچھے چو دھری عبد الجبار اور چودھرائن رابعہ تنہا رہ جاتے ہیں۔جان محمد ڈھولیا نازیہ کے عشق میں دربار شاہ جمال پر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔اور اس کی بہن رضیہ بھائی کی تلاش میں ایک ایسے شہر کا رخ کرتی ہے جہاں اس کا پیارا موجود ہی نہیں ہے۔منصور شہنائی نواز اور اس کی بیوی دونوں اولادوں (جان محمد اور رضیہ) کے انتظار میں نگاہیں چوکھٹ سے لگائے بیٹھے ہیں۔ڈاکٹر شاداب ایک لائق فائق انجنیئر کا بے دردی سے قتل دیکھ اس قدر آزردہ ہے کہ ماں بہن کو تنہا چھوڑ کر پھر سے ریاض چلا جاتا ہے۔غرض شابلا کوٹ میں نازیہ کی وجہ سے ایسی سرخ آندھی چلی ہے کہ کوئی اس کی تباہی سے بچ نہیں سکتا۔اس کی فتنہ سامانی کے باعث کسی کے مقدر میں بھی سکون نہیں رہا۔شابلا کوٹ میں پڑنے والی ایسی دراڑ دکھائی گئی ہے جس کے رخنہ میں سارا گاؤں غرق ہو چکا ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس وجہ کو تلاش کیا جائے جس کے باعث نازیہ کو معتوبِ زماں ٹھہرایا گیا ہے اور اسے ان تمام تباہیوں کا احساس بھی نہیں ہے۔جو اس کی وجہ سے شابلا کوٹ کے در و دیوار ہلا چکی ہیں۔ان پیچیدہ سوالات کے جوابات کے لیے ڈرامے کے موضوعات کا مطالعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔جیسے کہ شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں:

> ”کسی بھی متن (خاص کر تخلیقی متن) کا تجزیہ اس کی بغور قرأت اور چھان بین کے بعد کیا جائے تو اس متن کی تہ میں پوشیدہ جنسی تعصبات، محرکات کرداروں کے باہم عمل اور رد عمل کی باریکیاں، کردار نگاری کے گہرے اور عام طور پر نظر نہ آنے والے نکات وغیرہ واضح ہو سکتے ہیں۔“ (۱۸)

بہ نظر غائر مطالعہ سے ڈراما شاہلا کوٹ میں ہمیں نازیہ کے گردو پیش کی کہانی کے علاوہ سائنسی علوم کا موضوع بھی ملتا ہے۔جس میں کلوننگ جیسے حساس موضوع پر گفتگو کی گئی ہے۔ ماسٹر موسی اپنے بیٹے کے بیمار ہونے پر جب سلمان کے دوستوں کے ساتھ ہوسٹل میں قیام پذیر ہوتے ہیں تو ان سے فصلوں اور جانوروں کی افزائش نسل بڑھانے کے لیے جدید سائنسی تجربات کی بحث سنتے ہیں۔جس میں سعد سلمان کے ایک دوست کا کہنا تھا کہ :

”فیضان: ----جب بھیڑ سے بھیڑ-----بالکل identical پیدا ہو سکتی ہے تو انسان سے انسان کیوں نہیں کلون کیا جاسکتا-----کون سی چیز مانع ہے-----

حمیر : انسان میں روح اللہ کا امر ہے آپ کلوننگ کے ذریعے جب اللہ کے امر سے tamper کریں گے تو حضرت کچھ ایسی الجھنیں پیدا ہوں گی جن کا علاج انسان کے پاس نہیں ہو گا-----مشکل پڑ جائے گی۔

ماسٹر : جب آدم کی پسلی سے اماں حوا پیدا ہوئیں تو کیا یہ آپ کی کلوننگ کی ایک ترقی یافتہ شکل نہ تھی۔“(۱۹)

ڈراما نگار کلوننگ کی اس بحث میں یہ تو مانتے ہیں کہ روح اللہ کا امر ہے۔لیکن دوسری طرف یہ کہنا کہ اماں حوا کا آدم کی پسلی سے پیدا ہونا بھی کلوننگ کی ترقی یافتہ شکل ہے۔گویا تمام طبقہ نسواں کلوننگ سے تخلیق ہوا ہے۔اور عورت کی تخلیق اذن ربی نہیں بلکہ آدم کی مرہون منت ہے۔کلوننگ کے بارے میں ڈراما نگار نے اپنے خیالات کا مزیداظہار "شاہلا کوٹ" کے عالم حضرت شیخ یعقوب کتانی سے یوں کرایا ہے:”میرا خیال ہے کہ انسان مادے سے مادہ تخلیق کر سکتا ہے، لیکن جاندار جب بھی بنائے گا ایک جان بے روح ہو گی، جب سائنس دان ایک سے دو بچے بنا سکیں گے تو اصلی فتنہ تب بیدار ہو گا۔ایک بچے میں امر الٰہی سے روح آئے گی اور دوسرا بے روحی کے سفر زندگی پر رواں ہو جائے گا۔اس میں جان ہو گی لیکن روح نہیں ہو گی---- جب کبھی بدی کا موقع آئے گا تو وہ انسان سائنس دان کا تخلیق کر دہ جڑواں انسان جس میں روح نہیں ہے، قتل کرنے کے بعد چوری چکاری کر کے ظلم کر کے احساس جرم کا شکار نہیں ہو گا------بدی کے چنگل میں پھنس کر صرف روح ہی تلملا سکتی ہے۔“(۲۰)

درج بالا نظریات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ڈراما نگار نے محض نازیہ کے کردار کو نہیں بلکہ تمام عورتوں کو کلون شدہ ہی سمجھتے ہیں۔کیونکہ نازیہ کے کردار میں انھوں نے سلمان کے قتل کے بعد کہیں بھی ندامت نہیں دکھائی۔اس کے بر عکس سر فراز اور اس کے گھر والے ماسٹر موسی سے معافی کے لیے بے چین و بے قرار ہیں۔لیکن حقائق کی نظر سے دیکھا جائے تو

اماں حوا کلوننگ یا سائنسی ایجاد کے بجائے اذن ربی سے تخلیق ہوئیں۔ جس کی صراحت قرآنِ پاک میں یوں ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسان کو اپنا ''خلیفہ'' بنایا۔ خلیفہ کا لفظ مذکر و مونث دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ مرد و عورت کی تخلیق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی پہلی آیت میں فرمایا:

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیے''۔(سورۃ النساء: آیت نمبر ۱)

اس سے مراد یہ نہیں کہ مرد، عورت کا خالق ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ اس نے آدمؑ کو پیدا کیا اور اسی سے اس کی زوجہ کو بنایا۔ دونوں کی پیدائش پر اللہ ہی قادر ہے اور دونوں اسی کی مخلوق ہیں۔ لہذا مرد اور عورت میں پیدائش کے اعتبار سے کوئی برتری نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو جسمانی طور پر قوی بنایا تا کہ وہ امورِ مملکت و نان و نفقہ کو باخوبی نبھا سکے۔ دوسری طرف عورت کو شوہر، گھر اور بچوں کی نگہداشت و حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اور زندگی کے بنیادی حقوق دونوں کو برابر دیے گئے۔ زوجہ ٔ آدمؑ کے بارے میں مزید وضاحت سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۳۵ تا ۳۹ میں ملتی ہے۔ ''حضرت آدمؑ اور ان کی زوجہ دونوں کو جنت سے بے روک ٹوک کھانے کی اجازت دی گئی اور ایک درخت کے قریب جانے سے روکا گیا۔ لیکن شیطان کے لغزش دینے پر انہیں جنت سے نکال کر زمین میں ایک مقررہ وقت تک ٹھہرنے کا حکم ملا''۔ ان آیات میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ جس سے یہ حقیقت حال سامنے آتی ہے کہ شیطان نے دونوں کو لغزش دی تھی نا کہ صرف زوجہ ٔ آدم کو۔ جس کے باعث عورت مردوں کی نگاہ میں آج بھی معتوب ہے کہ وہ آدمؑ کو جنت سے نکالنے کا سبب تھی اور اُسی کی وجہ سے مرد دنیاوی مصائب کا سامنا کر رہے ہیں۔

عورت کے مشہور ہونے کی ایک دلیل ہابیل و قابیل کا قصہ ہے۔ کہ دنیا میں ہونے والا پہلا فتنہ و فساد اور قتل و خون عورت کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس حوالے سے مذہبی بیانات کی روشنی میں حقائق جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔ قابیل اور ہابیل آدمؑ اور حوا کے دو بیٹوں کے نام ہیں۔ انجیل مقدس کے پرانے عہد میں اس قصے کا ذکر کتاب پیدائش کے باب نمبر ۴ میں موجود ہے۔ یہاں قتل کا سبب عورت کے بجائے قابیل کی نیاز کا بارگاہِ خداوند میں قبول نہ ہونا ہے۔ اسی وجہ سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا کیونکہ ہابیل کی نیاز قبول ہو گئی تھی۔ جبکہ قرآنِ کریم میں ہابیل و قابیل کا قصہ سورۃ المائدہ کی آیات ۲۷ تا ۳۱ میں بغیر نام لیے آیا ہے۔ یہاں بھی دونوں کے نیاز پیش کرنے اور قابیل کی نیاز قبول نہ ہونے کا بیان ہے۔ جس پر قابیل نے ہابیل کو قتل کرنے کی دھمکی دی اور بھائی کے قتل کے بعد پچھتانے لگا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ قتل عورت کی وجہ سے ہوا لیکن انجیلِ مقدس اور قرآنِ کریم سے یہ شہادت ملتی ہے کہ قتل کی وجہ قربانی کا قبول نہ ہونا تھا۔ قرآن پاک میں واضح لکھا ہے کہ اس کے نفس نے اُسے ایسا کرنے پر اُکسایا۔ لہذا عورت کو موردِ الزام ٹھہرانا

درست نہیں کہ وہ زمین پر فتنہ و فساد کی موجب بنی۔

ڈراما نگار کی یہ پراگندہ خیالی مسیحت سے ملتی جلتی ہے۔انہوں نے نازیہ کو اُس تصور سے ملایا ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ اماں حوا آدمؑ کی پسلی سے تخلیق ہوئیں۔لہذا اب وہ آدمؑ کی تخلیق ہے۔اور اماں حوانے آدمؑ کو جنت سے نکلوایا۔اور قابیل نے ہابیل کو بھی عورت کی وجہ سے ہی قتل کیا۔لہذا عورت ایسا فتنہ ہے جو مردوں کو زندہ در گور کرنے کو کافی ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ڈراما نگار نے نازیہ کے کردار سے بھی اسی سوچ کی عکاسی کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ماسٹر موسیٰ اپنے محبوب آبائی گاؤں کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔اور اسے اس کی جنت عدن سے نکلوانے والی نازیہ ہے۔منہ بولے دو بھائیوں سعد سلمان اور سرفراز میں نفرت کا باعث بھی نازیہ ہے اور اسی کی وجہ سے سرفراز نے سعد سلمان کو قتل کیا۔لیکن سرفراز چونکہ اللہ کی تخلیق ہے اس لیے وہ ماسٹر موسیٰ سے معافی ملنے کے باوجود اللہ کا حکم ملنے کے بعد اقبال جرم کر لیتا ہے۔اور تھانیدار کو تاخیر کی وجہ بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ:

> "میں جو کچھ کر رہا ہوں اُس بڑی کمانڈ کے حکم پر کر رہا ہوں جس کا آرڈر مجھے اب موصول ہوا ہے۔"(۲۱)

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ طور کی آیت نمبر ۳۵ میں فرمایا ہے کہ "کیا تم کسی چیز کے بغیر کوئی چیز تخلیق کر سکتے ہو"۔یعنی اگر کلون کیا بھی جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سیلز میں زندگی پہلے سے رکھی ہوتی ہے۔تو وہ پیدائش بھی اذن ربی سے ہوتی ہے۔کیونکہ روح بھی اللہ کا امر ہے۔اور اس کے حکم کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں ہے۔لہذا ڈراما نگار کا ایک نسوانی کردار پر فتنہ پروری کا ایسا بھیانک ڈراما نسوانی طبقے سے مخاصمت کی دلیل ہے۔جس کے بارے میں وہ خود کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ڈراموں میں سوچی سمجھی کوشش کی ہے۔

ڈرامہ "شاہلا کوٹ" کے باقی نسوانی کرداروں کا مطالعہ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ڈرامہ نگار نے نسوانی کرداروں میں جہاں بھی ماں کا کردار پیش کیا ہے اس میں محبت اور قربانی کو پیش نظر رکھا ہے۔اور عورت کے اس روپ سے سماجی سطح پر مردوں کو کوئی خطرہ درپیش نہیں ہے۔بلکہ چودھرائن رابعہ (سرفراز کی والدہ) سرفراز کے قاتل بننے کے بعد بار بار ماسٹر موسیٰ کی چوکھٹ پر جاکر اپنا سارا زیور اور دولت وارنے کو تیار ہے۔اور چاہتی ہے کہ معافی ملنے کے بعد اس کا بیٹا اور شوہر دنیا اور آخرت دونوں کے عذاب واذیت سے نجات پا جائیں۔چودھرائن مریم (نازیہ کی والدہ) کا کردار بھی اس صورت میں امن کا باعث ہے کہ اس میں باوفا بیوی کی تمام خوبیاں موجود ہیں وہ شوہر کی بے وفائی پر شکوہ کناں نہیں ہے بلکہ دعا کرتی ہے کہ وہ جہاں بھی رہے ہمیشہ خوش رہے۔ وہ نازیہ

کی تعلیم کے خلاف ہیں اور سمجھتی ہیں کہ اگر عورت زیادہ پڑھ کر کاروبار کرنے لگے تو سب کچھ الٹ ہو جاتا ہے۔اس کردار میں ہمیں تضاد بھی دکھائی دیتا ہے کہ ایک طرف وہ عورت کے سر پر پگڑی آجانے سے معاملات بگڑنے کا اندیشہ ظاہر کرتی ہیں دوسری طرف زمینوں اور ملک سپلائی کے تمام امور نازیہ کو سنبھالے ہوئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ خود نازیہ بھی ماں کے اس متضاد رویہ پر نالاں ہے۔

ڈرامہ ''شاہلاکوٹ'' کے نسوانی کرداروں میں سے مسز فراست لغاری کا تعلق شہری زندگی سے ہے۔وہ ایک تعلیم یافتہ خاتون ہے،جو مغل آرکیٹیکچر ز کو پڑھاتی ہے۔اورماسٹر موسی کا بیٹا سعدسلمان ان کا فرماں بردار شاگرد ہے۔مسز فراست بخاری کا شوہر بھی بیسویں گریڈ کا آفیسر ہے۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ مسز فراست محض اپنی شناخت کے لیے اس پیشے سے وابستہ ہے۔وہ اپنی برتری جتانے کے لیےبار بار شوہر اور پرنسپل سے اپنی ذمہ داریوں کا ذکر کرتی ہے۔لیکن ڈراما نگار نے جو تاثر واضح کرنے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ عورت نے اپنی اصل ذمہ داری کے ساتھ کئی دوسری پریشانیاں خود پیدا کر لی ہیں۔جن پر وہ مرد کومورد الزام ٹھہراتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اب اس کے پاس بچوں ،شوہر اور گھر کے لیے بھی وقت نہیں ہوتا جو اسکی توجہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ مسز فراست لغاری پر اس پیشہ ور زندگی سے کچھ منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔وہ انسانی ہمدردی سے کسی حد تک غافل نظر آتی ہے۔کیونکہ سعد سلمان کا بیمار ہونا اس کے لیے مصیبت سے کم نہیں۔جسے اس نے اپنے بہت سے کام سونپ رکھے تھے جبکہ ان کاموں کا کریڈٹ مسز فراست کو ہی ملتا تھا۔یہ کردار اگر چہ تعلیم یافتہ ہے لیکن ڈرامے میں زیادہ تر منفی تاثرات پیش کرتا ہے۔

رضیہ شابلا کوٹ کی مرکزی کردار نازیہ کی ملازمہ اور جان محمد ڈھولیا کی بہن ہے۔ جوحویلی میں محض اس مجبوری کے ساتھ رہتی ہے کہ کہیں اس کے چلے جانے سے اماں ابا کے دانے ناروک دیے جائیں۔وہ سر فراز سے محبت کرتی ہے۔لیکن ڈراما نگار نے یہ طبقہ اس قدر سلیقہ مند دکھایا ہے کہ اپنی خواہشات کو دبانے اور چھپا کر رکھنے کے ڈھنگ سے واقف ہے۔ان میں منہ زور خواہشات نہیں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ رضیہ کے انداز سے بے تابی یا جذباتی پن نظر نہیں آتا۔اپنے بھائی جان محمد کی طرح وہ بھی حسرتوں کی ایک نشانی ہے۔رضیہ اگر چہ محبت میں ناکام ہے اور اظہار نہیں کر سکتی لیکن بھائی کی محبت اسے بولنے پر مجبور کر دیتی ہے۔اسی لیے وہ نازیہ سے درخواست کرتی ہے کہ اسے حویلی سے جانے کی اجازت دیں اور اس کے گھر کا رزق

بند نہ کریں۔ اس طرح کے نسوانی کرداروں سے منفی تاثرات نہیں ملتے۔ اور یہ ڈراما نگار کے پسندیدہ نسوانی کرداروں کی فہرست میں آتے ہیں۔ جن سے معاشرتی سطح پر کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا خطرہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ نسوانی کردار خود دوسروں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔

ڈرامہ ”شاہلا کوٹ“ کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ ڈراما نگار نے شاہلا کوٹ کے نسوانی کرداروں کو پیش کرنے میں مخاصمانہ رویہ اپنایا ہے۔ انہوں نے مرد کرداروں کی تمام کوتاہیوں سے صرف نظر کیا ہے۔ یا پھر ان کرداروں میں پچھتاوے کو دکھا کر اونچے مرتبے پر فائز کر دیا ہے۔ ماسٹر موسی جو سعد سلمان کی نازیہ سے محبت کے بارے میں جانتے تھے اس پر کسی قسم کی کوئی تنقید سامنے نہیں آتی۔ نہ بحیثیت والد وہ کسی اور کی منگیتر سے عشق لڑانے پر بیٹے کو منع کرتے ہیں لیکن عورت کے باہر نکلنے اور آزادی پر ایک نئے فلسفے کو جنم دے دیا ہے کہ عورت چونکہ کلون شدہ تخلیق ہے لہذا اس میں روح موجود نہیں ہے اور اب وہ تباہی کا سبب ہے۔ ڈراما نگار نے محض ماں کے کردار اور خواہشات کو دبا لینے والے نسوانی کردار اچھائی کی سطح پر دکھائے ہیں۔ جبکہ پڑھے لکھے، پیشہ ور اور فہم و فراست رکھنے والے نسائی کردار ان کے نزدیک معاشرے کے لیے تیزابیت کا کام کرتے ہیں۔ جس سے پورا سماج، مذہب اور انسانی رشتوں کے چہرے مسخ ہو جاتے ہیں۔ ڈراما نگار نے ان نسوانی کرداروں میں جو خرابیاں، کوتاہیاں اور کج فہمیاں دکھائی ہیں وہ ان کے عجم سے لیے گئے تصورات و نظریات ہیں۔ جنہیں خود بھی درست سمت کی ضرورت ہے۔ لہذا یہ کہنا بجا ہے کہ اشفاق احمد کا تصورِ عورت مقامی ہے نا کہ اسلامی۔ جس میں وہ عورت کے ذریعے فتنہ و شر کی المناک صورت پیش کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) قاضی جاوید، ”قصہ گو کا قصہ“، مشمولہ، ادبِ لطیف: اشفاق احمد نمبر (ماہنامہ)، جلد ۷۰، شمارہ ۵ (لاہور: مکتبہ جدید پریس، مئی ۲۰۰۵ء)، ۱۵۸۔

(2) Uta Ranke Hainemann, *Eunuchs for the Kingdom of Heaven*, (Germany: Heyne Verlag, Double Day, 1991)

(۳) محمد ظفیر الدین، اسلام کا نظام عفت و عصمت، (لاہور: دارالاندلس، ۲۰۱۰ء)، ۴۴۔

(۴) شاہ معین الدین احمد ندوی، دین رحمت، (اعظم گڑھ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۹ء)، ۱۰۴۔

(۵) سید علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ: مولانا عبد الرؤف فاروقی، (لاہور: اسلامی کتب خانہ، س ن)، ۵۶۶۔

(۶) ایضاً، ۵۷۲۔

(۷) احمد بن شعیب نسائی،سنن النسائی ،ترجمہ: شیخ حافظ محمد امین،ج پنجم،کتاب عشرۃ النساء،باب حب النساء،حدیث نمبر ۳۳۹۲، (ممبئی: دارالعلمہ،۲۰۱۳ء)،۲۵۴۔

(۸) فہمیدہ ریاض، ادب کی نسائی ردتشکیل،(کراچی:وعدہ کتاب گھر،۲۰۰۶)،۱۲۔

(۹) شمس الرحمن فاروقی،"تانیثیت کی تفہیم"، مشمولہ،اُردو ادب اور تانیثیت،۷۶۔

(۱۰)اشفاق احمد،شاہلا کوٹ،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)،۲۰۷۔

(۱۱) ایضاً،۹۸۔

(۱۲) ایضاً،۱۰۸۔

(۱۳)ایضاً، ۲۳۳،۲۳۴۔

(۱۴) ایضاً،۲۶۲۔

(۱۵) ایضاً،۲۶۶۔

(۱۶) ایضاً، ۲۷۸۔

(۱۷) بانو قدسیہ،راہ رواں،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)،۲۴۱۔

(۱۸) شمس الرحمن فاروقی،"تانیثیت کی تفہیم"، مشمولہ،اردو ادب اور تانیثیت، ترتیب:ڈاکٹر قاضی عابد،۷۸۔

(۱۹) اشفاق احمد،شاہلا کوٹ،۵۱۔۵۰۔

(۲۰) ایضاً، ۲۴۰۔

(۲۱) ایضاً،۲۸۳۔

BIBLIOGRAPHY

- Ahmad bin Shoaib Nisai, *Sunan al-Nisai*, (Tran.) Sheikh Hafiz Muhammad Amin, (Mumbai: Dar-ul-Ulma, 2013).
- Ashfaq Ahmed, *Shahlacoat*, (Lahore: Sang-e-Meel publications, 2011).
- Bano Qudsia, *Rah-e-Ravan*, (Lahore: Sang-e-Meel publications, 2011).
- Fahmida Riaz, *Adab ki Nisai radd-e-tashkeel*, (Karachi: wada kitab ghar, 2006).
- Moeen ud Din Ahmad Nadvi, *Deen-e-Rahmat*, (Azamgarh: Darul Musannefin Shibli Academy, 2009).
- Mohammad Zafir-ud-Deen, *Islam ka Nizam Iffat-o-Asmat*, (Lahore: Darul Undlas, 2010).
- Qazi Javed, Qissa gou ka qissa, (Incl.) Monthly: *Adab-e-Lateef: Ashfaq Ahmed number*, (Lahore: Maktaba jadeed press, May 2005).
- Sayyed Ali bin Usman Hajveri, *Kashf-ul-Mahjoob*, (Trans.) Maulana Abdul Rauf Farooqi, (Lahore: Islami Kutub Khana).
- Uta Ranke-Hainemann, *Eunuchs for the Kingdom of Heaven*, (Germany: Heyne Verlag, Double Day, 1991).

❖❖❖